ڈاکٹر سید محمد اکرم*

شیدا فتحپوری

تذکرہ نویسوں نے اسے ملا شیدائے تکلو[1]، دیوانۂ حسن معانی ملا شیدا[2]، دیوانۂ گرفتار سخن[3] اور شیدا ھندی کے گوناگوں القاب سے یاد کیا ہے۔ اس کا اصلی نام نہیں بتایا۔ مآثر رحیمی کے نسخہ ب میں اس کا نام مولانا عارف محمد درج ہوا ہے۔ شیدا نے اکبر نامہ کی ایک جلد پر نظر ثانی کی اور اس کے نیچے ایک نوٹ لکھا ہے جو محمد عارف تخلص شیدا کے نام سے ہے[4]۔ مآثر رحیمی کے مطابق وہ جلیل القدر قبیلۂ تکلو سے تعلق رکھتا تھا اس کا باپ مشہد سے برصغیر میں آیا تھا۔

شیدا کی تاریخ پیدائش کے متعلق تذکرے خاموش ہیں۔ سعد اللہ خان کے منشی فیروز نے ۱۰۲۴ھ میں گجرات میں اسی کے ساتھ ایک شعری مباحثے کا ذکر کیا ہے۔ شیدا نے اس مباحثے میں اپنے بعض مشہور شعر سنائے[5]۔ ۱۰۲۵ھ میں تقی اوحدی اسے اجمیر میں ملا اور اسے قادر الکلام شاعر پایا۔ شیدا نے اسے بتایا کہ اس کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار سے متجاوز ہے[6]۔ ۱۰۲۶ھ میں خانخاناں نے شیدا کا ۹۱ شعروں پر مشتمل انوری کے جواب میں قصیدہ:

چشم خورشید چو ابرو کند از شاخ حمل　　شب شود مردمک و روز بیاضش بمثل

مؤلف مآثر رحیمی کو دیا تاکہ اسے اس کتاب میں ثبت کیا جائے[7]۔

اگر مذکورہ سنین میں جب کہ وہ مشہور شاعر تھا اس کی عمر تقریباً پچیس تیس برس تصور کر لی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ شیدا دسویں صدی ھجری کے

---

* ایسوسی ایٹ پرفیسر فارسی پنجاب یونیورسٹی۔

۱- مآثر رحیمی جلد سوم ملا عبدالباقی نہاوندی کلکتہ ۱۹۳۱ ص ۱۴۸۷۔

۲- شاھجہان نامہ جلد سوم محمد صالح کنبو لاہور ۱۹۶۰ ص ۳۹۶۔

۳- شمع انجمن محمد صدیق حسن خان بھوپال سال تصنیف ۱۲۹۳ ص ۲۲۰۔

۴- British Museum Library Catalogue by Rieu p. 251a

۵- ریاض الشعرا والہ داغستانی نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ Pf I 17 ورق ۲۱۱ الف

۶- مجمع النفائس سراج الدین علی خان آرزو نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ Pf I 24 ص ۳۵۵۔

۷- مآثر رحیمی جلد سوم ص ۱۴۸۸۔

بالکل اواخر میں پیدا ہوا ۔

تذکرۂ شعرائے کشمیر کے مصحح نے کلمات الشعرا کی عبارت کو یوں نقل کیا ہے :

''شیدا در عہد جہانگیری (۱۰۱۴-۱۰۳۷ھ) بعرصۂ وجود آمده''[۱] ۔

اگر کم از کم ۱۰۱۴ھ کو بھی اس کا سال پیدائش تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ دس سال کی عمر میں فیروز منشی سے گجرات میں حریفانہ مباحثہ کر رہا تھا ۔ گیارہ سال کی عمر میں تقی اوحدی اسے قادر الکلام شاعر کہہ رہا تھا اور بارہ سال کی عمر میں وہ انوری کے جواب میں قصائد لکھ رہا تھا اور خانخاناں کے شعرا کی صف میں شامل تھا ۔ یہ سراسر ناممکن ہے ۔

مذکورہ تذکرے کی دوسری عبارت یوں ہے :

''در اواخر عہد جہانگیری و اوائل جلوس شاہجہان بعرصۂ ہند آمد[۲]'' یہ بھی غلط ہے کیونکہ وہ فتح پور میں پیدا ہوا ۔ شیدا کا معاصر محمد صالح لکھتا ہے کہ : منشاء و مولدش فتح پور اکبر آباد است ۔[۳]» مرآۃ الخیال میں درج ہے : «از شیخ زاده ہائے فتحپور است ۔[۴]» تذکرۂ حسینی : «شیدا مولد و منشائے وے فتح پور سیکری است ۔[۵]»

ریاض الشعرا کے مطابق : «مولدش قندھار و اصلش از مشہد مقدس است[۶]» ریاض الشعرا کا یہ بیان بالکل غلط ہے اس کی ایک شہادت تو شاہجہان نامہ اور دیگر معاصر اسناد ہیں دوسرے شیدا کا اپنا یہ بیان کہ :

«ایرانیان مرا بہ ہندی نژاد بودن مقداری ننہندے» یعنی ایرانی مجھے ہندی نژاد ہونے کے سبب کچھ نہیں سمجھتے ۔ قاضی عبدالودود کا خیال ہے کہ «ممکن ہے اس کی ماں ہندی ہو اور ایرانی اس بنا پر اسے ہندی نژاد سمجھتے ہوں[۸]» ۔

شیدا ابتدا میں عبدالرحیم خانخاناں کے دربار سے متعلق ہوا ۔ پھر سلطان شہر یار

۱- تذکرہ شعرائے کشمیر جلد اول بتصحیح سید حسام الدین راشدی کراچی ۱۳۴۶ھ ش ص ۴۷۰ ۔
۲- کلمات الشعرا محمد افضل سرخوش لاہور ۱۹۴۲ ص ۵۶ ۔
۳- شاہجہان نامہ جلد سوم ص ۳۹۶ ۔
۴- مرآۃ الخیال شیر خان لودھی بمبئی ۱۸۳۱ ص ۱۲۲ ۔
۵- تذکرہ حسینی میر حسین دوست لکھنؤ ۱۲۹۲ ص ۱۷۸ ۔
۶- ریاض الشعرا نسخہ خطی ورق ۱۲۱ الف نیز مرآۃ آفتاب نما ۔
۷- مرآۃ الخیال ص ۱۲۲ ۔
۸- عہد شاہجہانی کا ایک ادبی مناقشہ ، معاصر جلد دوم حصہ پنجم پٹنہ ص ۱۵۵ ۔

بن جہانگیر کے دربار سے وابستگی اختیار کی ۔ بعد ازاں شاہجہانی دربار کے شعرا میں داخل ہوا ۔ بالآخر مستعفی ہو کر کشمیر میں گوشہ نشینی اختیار کی ۔ شاہجہانی سرکار کی طرف سے اسے وظیفہ ملتا تھا جس پر وہ تا دم واپسیں وہیں زندگی بسر کرتا رہا[1] ۔

نشتر عشق اور خزانۂ عامرہ میں بغیر کسی سند کے اس کا سال وفات ۱۰۸۰ھ درج ہے جو صحیح نہیں ۔ عبدالغنی نے شیدا کا سال وفات ۱۰۴۲ھ لکھا ہے اور مصرع تاریخ : «بود شیدا طوطی شکر مقال» درج کیا ہے اس سے ۱۰۴۰ھ بنتا ہے ۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ قدسی مشہدی کے ایک قصیدے پر شیدا نے اعتراضات کیے اور یہ مناقشہ بہت معروف ہوا ۔ قدسی شاہجہان کے پانچویں سال جلوس مطابق ۱۰۴۱ھ برصغیر میں وارد ہوا[2] ۔ اس پر ملا جلالا طباطبائی نے شیدا کو خط لکھا جب کہ جلالا اصفہان سے ۱۰۴۴ھ میں برصغیر میں آیا[3] ۔ مذکورہ خط میں جلالا نے مہادیو ، زبان گوالیار ، دھرہ و دھرپت اور راگ و کلاونت[4] وغیرہ کے الفاظ بے تکلف استعمال کیے ہیں ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جلالا نے یہ خط ۱۰۴۴ھ یعنی برصغیر میں وارد ہونے کے کافی عرصہ بعد لکھا جب وہ یہاں کے مقامی الفاظ اور ان کے محل استعمال سے بہت حد تک واقف ہو چکا تھا ۔

۱۰۴۷ھ میں شیدا نے میر الھی ھمدانی کی ہجو میں ایک مشہور قطعہ لکھا[5] ۔ یعنی شیدا قطعی طور پر ۱۰۴۷ھ تک بقید حیات تھا ۔ طغرا مشہدی کے ایک قطعہ سے واضح ہوتا ہے کہ محمد سلیم تہرانی نے شیدا کی وفات کے بعد اس کے اشعار کا سرقہ کیا ۔ سلیم کی وفات ۱۰۵۷ھ میں واقع ہوئی[6] ۔ یعنی شیدا مسلماً ۱۰۵۷ھ سے پہلے فوت ہو چکا تھا ۔ شیدا اور سلیم کے متعلق طغرا کا قطعہ درج ذیل ہے :

بود شیدا شاعری در ملک ہند	گفتہ اش رنگین بسان لعل تر
از رہ شیرین کلامی خامہ اش	نزد طوطی داشت طعم نیشکر
لیک ہر مضمون خسرو را بجنس	دہ روش می بست با لفظ دگر
خواست بگشاید دکان نظم را	ناگہش پیچید اجل بر یکدگر

۱۔ شاھجہان نامہ جلد سوم ص ۳۹۷ ۔
۲۔ ایضاً ص ۳۹۰ ۔
۳۔ ایضاً ص ۴۲۴ ۔
۴۔ داد سخن ، سراج الدین علی خان آرزو ، راولپنڈی ۱۹۷۴ ص چہل و چہل یک ۔
۵۔ شاھجہان نامہ جلد سوم ص ۴۶۷ ۔
۶۔ نصر آبادی محمد طاھر ص ۲۲۷ ۔

کہنہ دزد شاعران یعنی سلیم   یافت چون از قصۂ فوتش خبر
رفت و از طفلان بی عقلش خرید   گنج باد آورد نظمش را بہ زر
شعر خویش را بنام خود نوشت   شہرتش در شاعری شد بیشتر
نظم شیدا گشت تاراج سلیم   طرفہ دزدی خورد بر دزد دگر[1]

ان شواھد کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیدا کی وفات کشمیر میں ۴۷ ۱ھ سے ۱۰۵۷ھ تک کے کسی سال میں واقع ہوئی۔

منیر لاھوری (متوفی ۱۰۵۴ھ) نے شیدا کے احوال سپرد قلم کیے ہیں اس کا نسخہ دانشگاہ تہران کی مرکزی لائبریری میں محفوظ ہے[2]۔ یہ نسخہ اس وقت راقم کی دسترس سے خارج ہے لیکن اس کے ایک اقتباس سے جو دستیاب ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ منیر نے یہ احوال شیدا کی زندگی ہی میں تحریر کیے تھے اور ممکن ہے اس میں سال وفات کا ذکر نہ کیا ہو۔

آثار

خان آرزو کا قول ہے کہ: «اس کا دیوان ردیف دال تک اکثر جگہ دیکھنے میں آیا۔ خود اس کے پاس بھی تھا کوئی لے گیا پھر اس نے واپس نہ کیا۔ ایسے قافیہ و ردیف جس میں غزل کہنا بھی مشکل ہوتا ہے اس کے دو قصیدے ہیں۔»[3]

خزانہ عامرہ کے مصنف کا قول ہے کہ: «اس کے پاس شیدا کا دیوان ردیف دال تک ہے اور اس میں ردیف نون اور واو کے کچھ اشعار بھی ہیں۔»[4] صبح صادق کے مؤلف کا قول ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچی تھی خدا معلوم اس کا مرتب دیوان کہاں ہو؟ اس کا اپنا قول ہے:

شعر برجستۂ شیدا همه جا مشهور است   نیست حاجت که بدیوان مرتب نگرید

جو نسخہ دستیاب ہوا ہے اس میں چودہ قصیدے ہیں سب طولانی۔ منجملہ ایک قصیدہ توحید کے بارے میں ہے سات قصیدے منقبت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ میں، ایک قصیدہ امام علی نقی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں ایک قصیدہ آل عبا رضی اللہ عنہم کے مناقب میں۔ ایک قصیدہ خانخانان کی مدح میں اور دو غیر مدحی

۱۔ معاصر جلد دوم حصہ پنجم ص ۱۵۵، ۱۵۶ بحوالۂ کلیات طغرا۔
۲۔ رک: منشآت جلالای طباطبائی نسخہ خطی کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران، شمارہ ۲۹۴۴ ورق ۳۸۸۔
۳۔ مجمع النفائس نسخہ خطی ص ۴۵۷، ۴۵۸۔
۴۔ خزانۂ عامرہ آزاد بلگرامی کانپور ۱۹۰۰ ص ۲۷۳۔

قصاید ہیں - ایک قطعہ فن بدیع کے محاسن کے بارے میں ہے - قصیدے سنگلاخ زمینوں میں ہیں اور طویل ہیں -[1]»

خزانۂ عامرہ میں غزلیات کے ۵۱ شعر اور چار قصیدوں کے ۸۶ شعر انتخاب کرکے درج کیے ہیں - مؤلف نے مزید بتایا ہے کہ اسے ایک کتابفروش سے شیدا کے دیوان کا ردیف دال تک ایک اور نسخہ بھی ملا جو نسخہ اولی سے یک قلم مختلف ہے - لیکن اس سے مؤلف نے انتخاب نہیں کیا -

گل رعنا کے مصنف کا قول ہے کہ نسخۂ ثانی گویا حضرت نے میرے لیے خریدا تھا چنانچہ اس نے اس نسخے سے غزلیات کے ۲۱۷ شعر انتخاب کرکے نقل کیے ہیں - اس کے بعد ایک قصیدہ کے ۳۵ شعر درج کیے ہیں جو امیرالمومنین حضرت علی کی منقبت میں ہیں - یہ تمام انتخاب خزانۂ عامرہ کے انتخاب سے مختلف ہے -[2]

دیوان شیدا کا ایک اور نسخہ آصفیہ لائبریری دکن میں موجود ہے - یہ نسخہ ۱۰۷۷ھ میں لکھا گیا - یوں شروع ہوتا ہے - ''بسکہ افتاد از غمت آشفتگی درکار ما -[3]»

دیوان شیدا کا ایک اور نسخہ ۴۳ اوراق پر مشتمل برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے - بارھویں صدی ھجری کا لکھا ہوا یہ نسخہ اول و آخر سے ناقص ہے - اس میں ردیف الف سے ردیف نون تک کی غزلیات ہیں - اس کا پہلا شعر یہ ہے :

نہ موج آب نگارد نگار زلف ترا   نہ دست باد زندشانہ مار زلف ترا[4]

شیدا نے دیوان غزلیات و قصائد کے علاوہ نظامی گنجوی کی مخزن الاسرار کے جواب میں دولت بیدار کے نام سے بارہ ہزار اشعار پر مشتمل ایک مثنوی لکھی - اس

۱- خزانۂ عامرہ ص ۲۷۳ ، ۲۷۴

۲- دیکھیے گل رعنا نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ ۴۱۹۰ S ورق ۱۶۰ ب -

۳- دیکھیے : فہرست مخطوطات آصفیہ لائبریری دکن جلد چہارم شمارہ ۱۲۹۰ -

۴- Supplement to the Catalogue of Persian Manuscripts British Museum Library by Rieu No. 326 p. 306 b.

دیوان شیدا کے نام سے دو اور دیوان بھی ملتے ہیں لیکن وہ شیدا فتحپوری سے مختلف شعرا کے ہیں - ایک دیوان شیدا محمد کاظم حنفی نقشبندی - دیکھیے :

Bibliotheque National Paris by Blotchet Vol. II No. 1078 P. 295.

دوسرا دیوان شیدا فارسی و ترکی زبان میں ہے بخط محمد تقی انصاری اردبیلی دیکھیے : فہرست کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران جلد ۱۴ شمارہ ۴۸۹۰ ص ۳۹۵۴ -

کا آغاز اس شعر سے کیا :

بسم اللہ الرحمن الرحیم   آمدہ سرچشمۂ فیض عمیم

محمد صالح اس کے متعلق لکھتا ہے کہ : «در آن کتاب داد سخنوری بنوعی دادہ کہ ہر نکتہ از آن یک کتاب سخن است۔[۱]»

شیدا نے اکبر نامہ پر نظر ثانی کی۔ یہ کام اس نے فیروز جنگ سپہ سالار دکن کے حکم سے شاھجہان کے جلوس کے پہلے سال (۱۰۳۷ھ) بتاریخ ۲۵ بہمن جالناپور میں مکمل کیا۔ اکبر نامہ کی اس جلد کے آخر میں اس کا لکھا ہوا ایک نوٹ درج ہے[۲]۔

شیدا غیر ایرانی ہونے کے باوجود اپنے دور کے ممتاز ترین شعرا میں شمار ہوتا تھا چنانچہ اس عہد کا مسلم الثبوت شاعر ابوالبرکات منیر لاہوری اسے اپنے دور کے عناصر اربعۂ سخن میں سے ایک گردانتا ہوا کہتا ہے :

«در این جزو زمان در سواد اعظم ہندوستان دین سخن از چار یار قوی است اول قدسی . . . دوم کلیم، سوم الٰہی ، چہارم شیدا[۳]۔"

منیر قدسی کو آتش، کلیم کو باد اور الٰہی کو آب کہنے کے بعد شیدا کے بارے میں رقمطراز ہے : "چہارم کہ صفت خاک دارد سرشتش مزرعۂ تخم معنی است و وطنش خلاصۂ زمین سخن۔ در افتادگی وخاکساری ہیچ کس بگردش نمی رسد۔ با اینہمہ ہیچ دلی نیست کہ غبار از او نداشتہ باشد و بہ این دلیل کہ من او را بخاک تشبیہ کردہ‌ام سرشت آدم از خاک است. اگر گوید کہ من سایۂ آدمیت ام ذرا یا رائے جواب است :

خدا گواہ کہ اکنوں بملک ھندوستان   ز اھل طبع جز این چار تن نمی یابم[۴]

منیر کی اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ : ۱۔ شیدا اپنے عہد کے بہترین شعرا میں سے تھا ۲۔ خاکساری اس کی سرشت تھی ۳۔ اکثر کے دل اس سے مکدر تھے.

نصر آبادی کا قول ہے کہ : «بسیار تند خو بود ، کم الفت بہ مردم می گرفت . وضعش کثیف بود[۵].»

مرأۃ الخیال میں ہے : «شیدا بسیار شوخ طبع و بیباک بود و شعرای پایتخت را بطعن زبان می رنجانید[۶]»

۱۔ شاھجہان نامہ جلد سوم ص ۳۹۶-۳۹۷ نیز دیکھیے ہمیشہ بہار ص ۱۲۲ -

۲۔ دیکھیے : برٹش میوزیم لائبریری فہرست۔ نمبر Add 26207 ص 251-A

۳۔ معاصر جلد دوم حصہ پنجم ص ۱۷۰ -

۴۔ ایضاً ص ۱۷۲ -

۵۔ تذکرۂ نصرآبادی محمد طاہر تہران ۱۳۱۷ھ ش ، ص ۴۴۴ -

۶۔ مرأۃ الخیال شیر خان لودھی ص ۱۲۲ -

تذکرۂ حسینی کے مطابق : ''اندیشہ اش بجائی بود ہ کہ در یک ساعت بخوبی قصیدۂ طولانی در سلک نظم می کشید ، اما از جادۂ خلق بعید افتادہ اکثری را ھجا کردہ[۱].''

سراج الدین علی خان آرزو لکھتا ہے : ''مزاجش خیلی ناساز واقع شدہ بود . با شیعی سنی و با سنی شیعی سرکردی . شعرای عصرش حاجی محمد جان قدسی و طالب آملی و میر الٰہی ھمدانی ھمہ از دست او بجان رسیدہ بودند[۲].''

احمد علی خان سندیلوی رقمطراز ہے : ''در فنون شاعری و سخن طرازی یگانہ زمانہ بودہ است . نہایت تیز زبان فصیح البیان و بیباک و شوخ طبع و ھجاگو بودہ چنانکہ اکثری را ھجا کردہ ، کسی یارای جواب آن نداشتہ[۳].''

تمام تذکرہ نویسوں نے شیدا کی شوخ طبعی اور گستاخی کے ساتھ ساتھ اس کی زبردست شاعرانہ استعداد کو بالاتفاق تسلیم کیا ہے . اس سے پیشتر کہ ان دلچسپ واقعات کو بیان کیا جائے جن کی بنا پر تذکرہ نگاروں نے اسے تندخو اور ھجاگو کہا ہے ضروری ہے کہ ان عوامل اور وجوہات کا سراغ لگایا جائے جنھوں نے اسے ایسا بننے پر مجبور کر دیا .

برصغیر میں دسویں اور گیارھویں صدی ھجری فارسی شاعری کے عروج کا دور ہے گیارھویں صدی کا نصف اول شیدا کا زمانہ ہے یہ وہ زمانہ ہے جب فارسی زبان و ادب کا مرکز ایران کے بجائے برصغیر پاکستان و ھند بنا ہؤا تھا ۔ فارسی یہاں کی درباری اور سرکاری زبان تھی . چنانچہ مغل بادشاہوں اور ان کے شاھزادوں ، وزیروں اور امیروں کے عظیم الشان دربار ایران کے بیسیوں بڑے بڑے شعرا کا مرجع و ماویٰ بنے ہوئے تھے ۔ ایرانی شعرا ان شاھانہ درباروں میں فارسی زبان و ادب کے جوھر دکھاتے اور گران بہا انعامات پاتے .

اکبر کے بعد جہانگیر کے دور میں اعلیٰ درباری اور عسکری مناصب پر ایرانی چھائے ہوئے تھے ۔ اس طرح دربار کے اندر اور باہر ایرانیوں کا غلبہ بہت بڑھ گیا تھا ۔ ملکہ نورجہان ایرانی تھی ۔ اس کا والد غیاث الدین امیر الامرا تھا ، اس کا بھائی آصف الدولہ سپہ سالار تھا ۔ طالب آملی ملک الشعرا تھا۔ ہر طرف ان کی بالادستی قائم تھی حتیٰ کہ جوکوئی بھی ایران سے آتا یہاں آ کر عزت پاتا اور خان بن جاتا ۔ چنانچہ محمد شریف معتمد خان کے متعلق جو کہ ایرانی تھا اور اقبالنامۂ جہانگیری کا مصنف

۱۔ تذکرۂ حسینی ص ۱۷۸ ۔

۲۔ مجمع النفائس سراج الدین علی خان آرزو نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ P f I 24 ص ۳۵٦ ۔

۳۔ مخزن الغرایب جلد دوم ص ۹۸۰ ، ۹۸۱ ۔

اور درباری مورخ تھا کسی ایرانی ظریف نے یہ بھی کہہ دیا کہ :

بدور شاہ جہانگیر خانی ارزان شد　　شریفہ بانوی ما رفت و معتمد خان شد

ان حالات میں ایران سے تشریف لائے ہوئے شعرا و ادبا کی سر پرستی اور تشویق و تحریص امر مسلم تھی ۔

ایرانی شعرا کے پہلو بہ پہلو برصغیر کے بعض فارسی گو شعرا بھی ان درباروں کا رخ کرتے اور اپنے فکر و فن کا خوب مظاہرہ کرتے لیکن ایرانی شعرا کی مقبولیت کے پیش نظر انھیں وہ مقام حاصل نہ ہوتا جس کا وہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتے تھے ۔ دراصل ان حلقوں میں ایرانی اور غیر ایرانی ہونے کا مسئلہ پیدا ہو چکا تھا ۔

ایرانی شعرا کے ساتھ شیدا کے الجھنے کی مندرجہ ذیل پانچ وجوہ واضح ہیں :

اول ایرانی شاعروں اور ادیبوں میں والا نژادی کا احساس ۔ اگرچہ یہ شعور فردوسی کے بعد ایران کے بعض غیر صوفی شعرا میں کارفرما رہا لیکن برصغیر میں آ کر بعض ایرانیوں کا یہ شعور غرور کی حد تک پہنچ گیا تھا ان میں سے عرفی شیرازی خود ستائی میں معروف ہے ۔ شیدا اپنے معاصر ایرانی احباب کے اس متعصبانہ رویے کے متعلق لکھتا ہے :

''ایرانیان مرا بہ ہندی نژاد بودن مقداری ننہند . . . حرف آن است کہ ایرانی و ہندی بودن فخر را سند نگردد. پایۂ مرد بہ نسبت ذاتی باشد و اگر ایرانیان زبان طعن گشایند کہ پارسی زبان ماست زبان را بکام نیابند و اگر زبان بکام نباشد بمذاق سخن آشنا نبود و چون دستگاہ سخن ندارند لا جرم دست و پای ہمی زنند.

''ظاہر بینان کہ از صورت پی بہ معنی نبردہ اند جز ظاہر حال چشم نگارند. معنی رنگین من چون خلقت ایشان نگار است و سخنان ایشان چون جامۂ من کم بہا و بد قماش ۔ ایشان بر جامۂ من چشم می دوزند ، من بر ایشان معنی رنگین عرضہ کنم ۔ آنچہ بی تکلف گفتہ شد ہمہ از روی راستی است و رنجیدن از راستی کار اہل دانش نیست ۔[۱]

مذکورہ عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایرانی شیدا سے تین وجوہ کی بنا پر متنفر تھے ۔ ایک یہ کہ وہ ہندی نژاد تھا دوسرے یہ کہ مفلس تھا ، تیسرے یہ کہ میدان سخن میں ان کا زبردست حریف تھا ۔

۱- سفینۂ خوشگو نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ AP. f. 14 ورق ۱۷۸ و مخزن الغرایب جلد دوم احمد علی سندیلوی باہتمام دکتر محمد باقر لاہور ۱۹۷۰ء ص ۹۸۷ ۔

شیدا کے مذکورہ بیان کی تائید اس کے معاصر شاعر ابوالبرکات منیر لاہوری کے ایک بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں منیر نے کہا ہے کہ اس دور میں شاعر تاوقتیکہ ان چار صفتوں سے متصف نہ ہو اسے کوئی وقعت حاصل نہیں ہوتی ۔ اول یہ کہ بوڑھا ہو دوسرے یہ کہ ثروت مند ہو تیسرے نامور ہو اور چوتھے یہ کہ ایرانی ہو ۔ منیر مزید لکھتا ہے :

«من کہ جوان مفلسم و گمنام ہندی نژادم و ہیچ یکی از آن چار صفت بامن نیست ، اگر اہل روزگار صاحب سخن نخوانند چہ جای سخن است[۱] ۔»

منیر اور شیدا دونوں اپنے غیر منصفانہ ماحول سے گلہ مند ہیں البتہ دونوں کے رویے میں یہ فرق ہے کہ منیر نے سنجیدگی اور متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جبکہ شیدا طنز و ہجا پر اتر آیا ہے ۔

دوسری وجہ ایرانیوں کا اہل زبان ہونے کا گہرا احساس ہے جس کا وہ جا بجا اظہار کرتے چنانچہ ایک موقع پر جب طالب آملی سے خاقانی کے دو شعروں کے معانی دریافت کئے گئے اور وہ نہ بتا سکا تو غصے میں آ کر کہنے لگا :

«ازین قسم شعر در ہندوستان تنہا بدرس می خوانند و من بناخن پا می نویسم[۲] ۔»

شیدا نے جب محمد جان قدسی مشہدی کے ایک معروف قصیدے پر فنی اور علمی نقطۂ نظر سے اعتراضات کیے تو قدسی کے ہم وطن جلالاطباطبائی نے شیدا کو جواب میں لکھا کہ فارسی عام زبانوں کی طرح نہیں ہے اسے صرف اہل زبان ہی سے سیکھا جا سکتا ہے ، لغت کی کتابوں اور شعرا کے دیوانوں سے نہیں سیکھا جا سکتا ۔ لکھتا ہے :

«ای عزیز ! این نہ دھرہ و دھرپت است کہ در مصارف استعمال آن دخل بیجا توانی کرد و این نہ لغت سنسکرت و زبان گوالیار است کہ باوجود عدم قدرت در آن تصرف توانی نمود ۔ این لہجۂ دری از زبان پارسی است ، از افواہ پارسی زبانان باید آموخت و چراغ سخندانی از مشکوۃ اندیشۂ اینان باید افروخت. از مطالعۂ فرہنگ نامہ ہای فارسی ، زبان دان نتوان شد و از تتبع دواوین قدما از پیش قدمان این وادی نتوان گشت[۳] ۔»

یعنی ایرانیوں کے سوا فارسی میں کوئی دوسرا شخص مستند اور مسلم الثبوت

۱۔ کارنامہ و سراج منیر بتصحیح سید محمد اکرم ، اسلام آباد ۱۹۷۷ء ص ۲۵ ، ۲۶
۲۔ نگارشات منیر نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ م-۱ ص ۱۷ ۔
۳۔ رک : داد سخن سراج الدین علی خان آرزو بتصحیح سید محمد اکرم راولپنڈی ۱۹۷۴ء صفحہ چہل و چہل و یک ۔

نہیں ہو سکتا ۔ یہ نظریہ اتنا مہمل ہے کہ کوئی بھی ماہر لسانیات اسے قبول نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ سراج الدین علی خان آرزو نے اس نظریے کو باطل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ :

«پس بوضوح پیوست کہ غیر ایرانی و تورانی اگر تتبع بکمال داشتہ و صحبت صاحبان محاورہ نمودہ باشد قول او سند است[1] ۔»

منیر اپنے ماحول کے غیر منصفانہ رویے کے خلاف شکایت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایرانی اگر فارسی میں سو جگہ بھی غلطی کرے تو کوئی نہیں پوچھتا لیکن غیر ایرانی اگر اپنے کمال فن کا مظاہرہ بھی کرے تو کوئی داد سخن نہیں دیتا :

«اگر فارسی صد جا در فارسی غلط کند در سخن او سخن نمی کنند و ہندی اگرچہ چون تیغ ہندی جوہر ذاتی را آشکار سازد دم از تحسین او نمی زنند[2] ۔»

شیدا نے بادشاہ نامہ سے قدسی کی دو لفظی غلطیوں کی نشان دہی کی اور اس ضمن میں جلالا کو بذریعہ خط مطلع کیا اور کہا کہ :

«اگر در بادشاہ نامہ این قسم الفاظ نا دانستہ بکار می رود کارنامہ نخواہد بود[3] ۔»

شیدا کی یہ تنقید غلط نہیں تھی اس بات کی تائید ملا طغرا مشہدی کے اس قطعہ سے بھی ہوتی ہے جو اس نے ابو طالب کلیم اور قدسی کے بادشاہ نامہ لکھنے پر کی :

دو رہزن بہم کردہ اند اتفاق   یکی از خراسان یکی از عراق
کتابی کہ از بہر دارای ہند   مرتب شد از گفتۂ این دو رند
بود لفظ و معنیش از وی بداغ[4]

تیسری وجہ یہ ہے کہ شیدا معاصر ایرانی شعرا کے اسلوب کو ناپسند کرتا تھا ۔ وہ منیر لاہوری کی طرح شعر کو حد سے زیادہ پیچیدہ اور مبالغہ آمیز نہیں دیکھنا چاہتا تھا ۔ چنانچہ وہ معاصرین کے برعکس متقدمین کے اسلوب کو پسند کرتا تھا ۔ اس امر کی تائید منیر کی اس دلاویز تحریر سے بھی ہوتی ہے :

«شیدا دیوانۂ حسن معانی است و شیفتۂ طرز سخن دانی ، پیرو پیشینیان سخن است و پیشوای جادو نفسان فن ، بر آئین باستان سخن گزاری می کند و بہ سنت متقدمان نکتہ نگاری ۔ با طرز تازہ خصم دیرینہ است و شعر تازہ گویان

۱۔ ایضاً ص ۶۴ ۔
۲۔ کارنامہ و سراج منیر ص ۲۵
۳۔ رک : معاصر ص ۱۶۳
۴۔ ہمیشہ بہار کشن چند اخلاص مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی کراچی ۱۹۷۳ء ص ۱۵۱

نزدش تقویم پارینه ۱۔»

شیدا کا دوسرا معاصر محمد صالح اس امر کی تائید میں لکھتا ہے :

''در سخن طرز باستان گزیده ، بر متآخران پیوسته زبان طنز می گشود و یک قلم این جماعت را از سلسلۂ ارباب سخن خارج دانسته ۔۲''

چوتھی وجہ شیدا کی زبردست علمی فضیلت اور شعری استعداد ہے جس کی بنا پر وہ حریفوں کو اپنا ہم پلہ تصور نہیں کرتا تھا چنانچہ اکثر شعرا اس کی مخالفت اور طعن و ہجا پر اتر آئے تھے ۔ شیر خان لودھی کا مندرجہ ذیل بیان اس ضمن میں ایک عمدہ شہادت ہے :

«حق آن است کہ اینہمہ طعن و استہزا کہ از شیدا بر معاصران می رفت محض از راہ سبک سری و زیادہ گوئی نبود بلکہ فضل و بلاغت شیدا مقتضی آن شد کہ ہیچ یکی از شعرای عصر را در نظر اعتبار نیاورد و احدی را در پلۂ میزان ہنرمندی با خود نسنجد و چون در علم عروض و قوافی ضرب المثل بود و بر داب و دستور سخن‌وری و ادای مراتب آن کما ینبغی آگاہی داشت از این است کہ سخن وران ایران و توران کہ در پایتخت صاحبقران ثانی پایۂ امتیاز داشتند بازوی استعداد خود را قابل ہم پنجگی وی نیافیہ بہ طن و ہجایش پیچیدند و اگر زور طبع او سد راہ نمی گردید چہ گنجائش داشت کہ اینہمہ خشونت از وی بر می داشتند و ہمین دلیل بر علو فکر و بلندی طبع وی کافی است۳.»

محمد صالح رقم طراز ہے :

«در قوانین سخن آفرینی یگانۂ وقت خود بود۴.»

محمد افضل سرخوش لکھتا ہے :

«شاعر غرا پرگو و قافیہ پرداز در زمان خود یگانہ بود۵.»

پانچویں وجہ شیدا کی تنک مزاجی تھی۔ شیدا میں منیر جیسا صبر و تحمل نہ تھا ۔ وہ ماحول کی نا انصافیوں اور اپنی محرومیوں کے خلاف گستاخانہ بول اٹھتا تھا جس پر بعض تذکرہ نویسوں نے لکھ دیا ہے : «بسیار تند خو بود وضعش ہم کثیف بود۶.»

۱۔ منشآت جلالای طباطبائی کتاب خانۂ مرکزی دانش گاہ تہران شمارہ ۲۹۴۴ ص ۳۸۸ ۔

۲۔ شاہجہان نامہ جلد سوم ص ۳۹۶ ۔

۳۔ مرأة الخیال بمبئی ، ص ۹۴

۴۔ شاہجہان نامہ جلد سوم ، ص ۳۹۶

۵۔ کلمات الشعرا لاہور ، ۱۹۲۶ء ، ص ۵۶

۶۔ نصر آبادی ، ص ۴۴۴

«بسیار شوخ طبع و بیباک بود و شعرای پایتخت را بطعن زبان می رنجانید[1].»
«از جادهٔ خلق دور افتاده بود اکثری را ہجا کرده[2].»
«غریب حالتی داشت ، مزاحش خیلی ناساز واقع شده بود[3].»
«بد وضع ، بد اخلاق و در اخذ مضامین دیگران استاد بود[4].»

حالانکہ شیدا کے معتبر معاصرین ابوالبرکات منیر حکیم رکنا کاشی[5] مسیحا ، ملا عبدالباقی نہاوندی صاحب مآثر رحیمی اور محمد صالح کنبو مؤلف شاہجہان نامہ اسے نہایت اخلاص اور احسان سے یاد کرتے ہیں - لیکن بعد کے تذکرہ نویس جن کی تحریریں دید سے زیادہ شنید پر مبنی ہیں اسے ہجوگو اور بدخو کہتے ہیں - لہذا انہیں چنداں معتبر اور مؤقر نہیں گردانا جا سکتا - اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ہجوگوئی کی لیکن اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ بے انصافی کے خلاف گستاخ اور بیباک ہو جاتا تھا یہ ایک طرح کا احتجاج تھا اگر مذکورہ پانچ وجوہ کی روشنی میں اس کے اس رویے کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھا - شیر خاں لودھی نے اسے بجا طور پر شیدا کے علو فکر اور بلندی طبع سے تعبیر کیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ وہ نہایت جرأت مند اور دلیر تھا - نہ بادشاہ سے ڈرتا اور نہ کسی وزیر اور امیر کی پروا کرتا -

١٠٢٩ھ میں جہانگیر نے طالب آملی کو ملک الشعرا کا لقب دیا تو شیدا نے از راہ تنقید کہا : «خوشا حال گذشتگان کہ ملک الشعرائی طالبا را ندیده از جهان برفتند[6].»

ایک دفعہ شاہجہان نے پوچھا :

«شیدا تو بہتر شعر کہتا ہے یا حکیم حاذق ؟ تو چونکہ شیدا حکیم حاذق کو اپنا ہم پلہ تصور نہیں کرتا تھا لہذا بادشاہ کو فوراً جواب دیا کہ رائے پرب داس ہم دونوں سے بہتر شعر کہتا ہے - رائے پرب داس ایک محرر تھا اور

١- مرآة الخیال ، ص ١٢٢
٢- تذکرہ حسینی ، ص ١٧٨
٣- مجمع النفایس نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ ١٣٨٩ ورق ٢٥٧
٤- مرآة آفتاب نما نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ Pe I 24 ورق ١٥٩ ب
٥- رکنا کاشی کا یہ شعر :
مسیحا را بشیدایان عالم انقی باشد بجز شیدا نگوید شعر گوکس در زمین فن
رک : خزانۂ عامرہ ، ص ٢٧٠
٦- Talib-i-Amuli, by S. Nabi Hadi Aligarh 1962, P. 77

ناقص شعر کہتا تھا ۔ بادشاہ کو شیدا کے جواب پر غصہ آ گیا اور حکم دیا
کہ اسے دیوان خاص سے باہر نکال دیا جائے ۔"[1]

ایک دفعہ بادشاہ کشمیر میں گیا تو چند سالہ پرانے جھونے کا سرکاری ذخیرہ جمع تھا حکم دیا کہ تنخواہ میں یہ جھونا دیا جائے۔ چنانچہ شیدا کا نقد وظیفہ بند ہوگیا ۔ اس پر وہ نواب اسلام خان وزیر کے دیوان میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے وظیفہ دیا جائے۔ نواب نے کہا یہی ہے لینا ہے تو لو ورنہ جاؤ۔ شیدا نے مزید اصرار کیا تو پاسبانوں نے اس کی بے حرمتی کی اس پر شیدا نے نواب سے خطاب کر کے کہا : "عزتی کہ من در دیوان شہایافتم شما نیز در دیوان من خواہید یافت."[2]

طالب آملی ملک الشعرا تھا اور بادشاہی امرا میں سے تھا ۔ شیدا نے اس کے متعلق یہ مشہور قطعہ کہا :

شب و روز مخدوم ما طالبا پی جیفۂ دنیوی در تگ است
مگر قول پیغمبرش یاد نیست کہ دنیاست مردار و طالب سگ است[3]

شیدا ابتدا میں عبدالرحیم خانخانان کے دربار سے وابستہ تھا خانخانان کا بیٹا مرزا امراللہ خان علت مفعولیت کی وجہ سے مشہور تھا ۔ شیدا نے اس پر یہ شعر کہا :

نہ تنہا من ہمی گویم کہ امراللہ مفعول است
خدا فرمود در قرآن کہ : امر اللہ مفعولا

ملا اظہری نابینا ایک دن ایک مجلس میں اپنے تازہ اشعار پڑھ رہا تھا شیدا بھی مجلس میں بیٹھا تھا ۔ جب اظہری نے یہ شعر پڑھا :

خواہ با اظہری و خواہ بہ بیگانہ نشین
من ہمین شرم ترا بر تو نگہبان کردم

تو شیدا نے کہا ضرب المثل مشہور ہے کہ : «زن نابینا را خدا نگہبان»[4]

میر الٰہی ہمدانی کی ہجو میں ایک قطعہ کہا جو مشہور ہوا :

ای میر من کہ کردہ الہیؔ تخلصی از مرد لاہی ارچہ الٰہی شدن خطاست
زین رطب و یا بسی کہ بود در کلام تو گر منکر کلام الٰہی شوم بجاست[5]

میر الہی نے بھی شیدا کی ہجو میں چند رباعیاں کہیں مگر ہرگز تلافی نہ

١۔ مخزن الغرایب جلد دوم احمد علی خان سندیلوی لاہور ١٩٧٠ء ، ص ٩٨٢
٢۔ کلمات الشعر ، ص ٥٨
٣۔ کلمات الشعرا . ص ٥٨
٤۔ ایضاً ص ٥٨
٥۔ شاہجہان نامہ جلد سوم ، ص ٣٩٧

ہو سکی - حکیم حاذق شاہجہانی امرا میں سے تھا - اس کے ممسک ہونے پر ایک غلیظ شعر کہا[1]۔[2]

شیدا نے ایک خمریہ قصیدہ کہا جس کا یہ مطلع بہت مشہور ہوا :

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہری　　حسن را پروردگاری ، عشق را پیغمبری

اہل ذوق نے بہت پسند کیا آہنگ سازوں نے اس پر آہنگ مرتب کیے - جب اسے شاہجہان نے سنا تو پوچھا کہ یہ شعر کس کا ہے ؟ عرض کیا گیا کہ ملا شیدا کا ہے تو بادشاہ کو غصہ آ گیا اور شیدا کی تکفیر کی کہ اس نے ام الخبائث کی تعریف کی ہے جس کا حرام ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے - حکم دیا کہ شیدا کو قلمرو سلطنت سے باہر نکال دیا جائے - اس پر شیدا نے ایک مقرب کے ذریعے یہ قطعہ بادشاہ کے حضور میں پیش کر کے بنحو احسن اپنا دفاع کیا :

جہان پناہا شاہا بقدر جاہ و جلال
نیافرید خدا چون ترا عدیل و نظیر
فراخ حوصلہ چون دور آسمان بلند
بلند مرتبہ چون آفتاب عالم‌گیر
بوصف می زدہ سر از من این دو مصرع خوش
کہ گشتہ ورد زبان ہمہ صغیر و کبیر
اگرچہ لفظش عام است معنیش خاص است
بخاص و عام بودہ شہرہ ہمچو بدرمنیر
چنانکہ میکش اسرار مولوی جامی
کہ ہست گفتۂ او دور از در تقصیر
بوصف می ز صراحی دو بار قلقل می
بہ از چہار قلش گفت و فارغ از تکفیر
مرا بکفر چہ نسبت بود کہ بہ ز منی
سخن چنین کند و ہیچ نایدش بضمیر
بہرچہ کس شدہ سر گرم ہست بادۂ او
اگرچہ آن نبود در نظر شراب عصیر
چہ بودی ار ز سخن پروان یکی بودی
چو رودکی و کسائی و انوری و ظہیر

۱- ہمیشہ بہار ، ص ۱۲۳
۲- دیکھیے مخزن الغرایب جلد دوم ، ص ۹۸۲

بعہد من کہ ازان قدر من بیفزودی
بہ نزد شاہجہان پادشاہ عالم گیر
ز شاعران شہنشاہ کیست ہمسر من ؟
کہ از شعور ندانند شعر را ز شعیر
کدام شاعر و کو شاعر و کجا شاعر؟
نمودہ اند بہ اندیشہ پیکر تصویر
ز شاعران چنین گر حساب بر گیرند
ز خاک روید شاعر بعرصۂ کشمیر
مرا چو شاہ براند کجا توانم رفت ؟
بگاہ راندن از کف کجا رود شمشیر ؟

مولانا جامی کا شعر جس سے شیدا نے استشہاد کیا یہ ہے :

از صراحی دو بار قلقل می   نزد جامی بہ از چہار قل است[1]

شہزادہ دارا شکوہ کے ایک جشن کی تقریب میں طہاسپ قلی بیگ نے ایک قصیدہ کہا جس کا بیت توشیح یہ شعر تھا :

بصد تزئین بلوح محمل شاہ   رقم دیدم قران مہر با ماہ

شاعر نے اس شعر میں کمال فن دکھایا کہ اس کے ہر مصرع میں مادۂ تاریخ ہے حرف منقوط میں بھی تاریخ اور غیر منقوط میں بھی تاریخ ہے ۔ شیدا نے بادشاہ سے مجمع شعرا میں کہا کہ قران مہر و ماہ محاق ہے اور منجمین اسے نحس قرار دیتے ہیں ۔ بادشاہ نے اس بات پر اس قصیدے کو نظر انداز کر دیا اور بے چارے طہماسپ قلی کی تمام محنت ضائع ہوگئی ۔[2]

محمد جان قدسی مشہدی ۱۰۳۱ھ میں برصغیر میں آیا ۔ شاہجہان کے دربار میں اسے خاص عزت حاصل ہوئی حتی کہ طالب آملی جو ملک الشعرا تھا قدسی سے فروتر مقام پر کھڑا ہوتا ۔ شیدا نے قدسی کے ایک مشہور قصیدے پر جس کا مطلع ہے :

عالم از نالۂ من بی تو چنان تنگ فضاست
کہ سپند از سر آتش نتواند برخاست

اسی قافیہ و ردیف میں متعدد اعتراضات کیے ۔ قدسی کا یہ قصیدہ اکسٹھ اشعار پر مشتمل حضرت امام موسیٰ الرضا کی منقبت میں ہے ۔ شیدا نے اس کے اٹھارہ

۱- کلمات الشعرا ، ص ۵۷ و مخزن الغرایب جلد دوم ، ص ۹۸۴ ، ۹۸۵
۲- کارنامہ و سراج منیر ، ص ۸۳

اشعار پر فنی نقطہ نظر سے گرفت کی ۔ اس کے بعض اعتراضات بالکل بجا اور بعض بے جا بھی ہیں چنانچہ محمد صالح لکھتا ہے : «بعضی جا کلکش از دستی ناخن بند کرده کہ جای انگشت نہادن نیست و بعضی جا بر طرۂ اشعار شانہ وار برجا پیچیده[۱] ۔» قدسی کے مذکورہ مطلع پر شیدا کی تنقید :

نالہ در سینہ ہوائی است کہ بی قصد رود
چون کہ از سینہ ہوا گیر شد از جنس ہواست
عالم از وی نشود تنگ و لیکن ز ملال
خلق عالم گر ازو تنگ نشینند بجاست
خود گرفتم کہ جہان تنگ شد از نالۂ تو
کہ ز تنگی نظر از چشم نیارد برخاست
نیست ترتیب دو مصراع بہم ربط پذیر
کہ سیاق سخن از ہر دو بہ اندیشہ جداست
تنگی عالم ازیں نالہ بہ کیفیت اوست
کہ جہان تنگ ز اندوه شده بر دلہاست
تنگی جا ز کجا تنگی اندوه کجا
بیشتر از من و جان تفرقہ ای ہم پیداست[۲]

شیدا کے ناقدانہ مگر دلچسپ تمام اعتراضات پر منیر لاہوری نے اسی کافیہ و ردیف میں محاکمہ لکھا ۔ شیدا کے مذکورہ اعتراض کا یوں جواب دیا :

لطف این شعر نمی فہمی و قہر از پی چیست
این نہ آئین حریفان معانی پیراست
فی المثل گوید اگر شاعر رنگین سخنی
مخمل از نالہ ام از خواب تواند برخاست
بر قماش سخنش نکتہ نیارند گرفت
زانکہ معنی بہ مددگاری ایہام رساست[۳]

منیر نے شیدا کے بعض اعتراضات کو درست بھی تسلیم کیا ہے ۔ شیدا کے اعتراضات پر شاہجہانی دربار کے مقرب خاص میرزا جلالا طباطبائی نے جو کہ قدسی کا ہم وطن اور اس کا زبردست مداح تھا[۴] شیدا کو نثر میں ایک خط لکھا ۔ اس میں

۱- شاہجہان نامہ جلد سوم ، ص ۳۹۷
۲- دیکھیے داد سخن راولپنڈی ۱۹۷۶ء ص ۱۵ ، ۱۶
۳- ایضاً ص ۱۸
۴- دیکھیے مقدمۂ جلالا بر دیوان قدسی : مجموعہ منشآت میرزا جلالا طباطبائی نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ API XII ورق ۳ ب

قصیدۂ قدسی کی صرف ایک ترکیب ''زہر آلا'' بمعنی زہر آلود پر بحث کی ۔ شیدا نے اس کے معنی زہر آلایندہ کے لیے تھے ۔ میرزا جلالا کے دلائل اگرچہ قوی ہیں لیکن اس کا شیدا کو خطاب کرنے کا لہجہ قابل اعتراض ہے ۔ اس تہدید آمیز خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایرانی ادیب اور شاعر اس قدر دلیر اور جرأت مند ہو چکے تھے کہ وہ مقامی شعرا کو گویا اپنا ذمی تصور کرتے تھے ۔

خط کے آغاز میں جلالا نے مندرجہ ذیل قطعہ لکھا اور اس میں شیدا کو بے سروپا ، سوختہ کالا ، مایۂ سودا ، اور مہا دیو مقویٰ کے برے ناموں سے یاد کیا ہے :

آن کیست کہ پا کردہ سر از روی توجہ
این نامہ بدان بی سرو بی برساند
این شعلۂ پیچیدہ کہ سرزد ز نی کلک
تا خرمن آن سوختہ کالا برساند
زین سوختہ صفرا کہ بسر ریخت قلم را
یک قطرہ بہ آن مایۂ سودا برساند
از تیر شہاب قلم شعلہ کش ما
مدی بہ مہا دیو مقویٰ برساند
در پردہ سخن چند کنم ؟ باد صبا گو
کاین نامۂ سر بستہ بہ شیدا برساند[1]

جلالا اگر شیدا کے تمام اعتراضات کا جواب دیتا تو بات بھی تھی ۔ اس نے صرف ایک ترکیب زہر آلا کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تقریباً بارہ سو الفاظ کا خط لکھا جس میں شیدا کو کچھ گالیاں ، کچھ دھمکیاں اور بہت سی عبارت آرائیاں ہیں ۔ آج ہمارے پاس کوئی سند نہیں جس سے یہ پتہ چل سکے کہ شیدا نے اس خط پر کس ردعمل کا اظہار کیا تھا ۔

شیخ فیروز سعداللہ خاں کے منشی کا شیدا کے ساتھ شعری مباحثہ بہت مشہور ہے ۔ اس کے متعلق والہ داغستانی لکھتا ہے کہ : ''ایک دن شیخ فیروز منشی کی شیدا کے ساتھ گفتگو ہوئی جسے فیروز نے خود اپنے قلم سے بیاض میں لکھا تھا اسے نقل کیا جاتا ہے ۔

''۱۰۲۴ھ میں جب جہانگیر گجرات میں مقیم تھا تو وہاں دور دراز علاقوں کے اکثر فضلا و شعرا کی مجلسیں ہوتیں ۔ ایک دن حسن اتفاق سے ملا انور لاہوری ، ملا عطار ملا مخترع اور ملا طفیلی فتح پوری جیسے احباب ایک مکان میں جمع تھے

۱۔ داد سخن صفحہ سی و ہشت

کہ اچانک ملا شیدا بھی ادھر آ نکلا ۔ چونکہ سب اس کی لاف زنی اور ہرزہ سرائی سے دل برداشتہ تھے اور وہ اکثر دوسروں کے مضامین کو اپنے خوب صورت پیرایۂ الفاظ میں پیش کر دیتا تھا اس لیے طے پایا کہ اس سے شعر سنے جائیں اور مجھے [شیخ فیروز] کہ شعرائے معاصر اور قدما کے کچھ شعر یاد ہیں اس سے مناظرہ کے لیے کہا گیا ۔ جب وہ اس بزم کے قریب آیا جو درحقیقت رزم گاہ تھی تو احباب نے اٹھ کر استقبال کیا اور اسے بہتر جگہ پر بٹھایا پھر سب نے اس کے ذہن کی تعریف کی اور اپنے شعر سنانے کی درخواست کی ۔ شیدا نے یہ شعر پڑھا :

چیست دانی بادۂ گلگوں ؟ مصفا جوہری
حسن را پروردگاری ، عشق را پیغمبری

میں نے کہا : یہ شعر رودکی کے شعر سے بہتر ہے :

عشق را من پیمبرم ، لیکن حسن را آفریدگار توئی

اس نے منہ چڑھایا اور اس بات کی پروا کیے بغیر پڑھا :

ز بسکہ کردہ غمت بند در جگر ناخن چو پشت ماہیم از پای تا بسر ناخن

میں نے کہا : اس مطلع کا مضمون غیاثا حلوائی کا ہے :

از بسکہ سینہ کندم و ناخن درو نشست چون پشت ماہی است سراپای سینہ ام

بہت برہم ہوا اور فقیر کی شعر فہمی پر طعنہ زن ہو کر پڑھنے لگا :

گر بصحرا موفشانی دشت پر سنبل شود ور بدریا رو بشوئی خار ماہی گل شود

میں نے کہا : ملا کاتبی نے دو سو سال پیشتر حضرت کے نیاز حاصل کیے تھے :

گر بدریا افتد از عکس جمال او فروغ خار ماہی آورد در قعر دربار گل

جونہی میں نے یہ شعر پڑھا تو ہرزہ گوئی پر اتر آیا ۔ کہنے لگا اگر تم ستم ظریفی کرتے ہو تو اس شعر کے جواب میں بولو :

ذات تو بود صحیفۂ کون کہ کرد از روی ادب مہر خدا بر پشتت

میں نے کہا : دوستو انصاف کرو ۔ اگر ہاتفی نے اس گوہر آبدار کو حضرت کے خزانے میں داخل ہونے سے ڈیڑھ سو سال پہلے چرا لیا ہو تو حضرت کا کیا قصور ہے ؟ :

نبوت را توئی آن نامہ در مشت کہ از تعظیمت آمد مہر بر پشت

دوستوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی ۔ چونکہ ہرزہ گوئی اس کی فطرت تھی اس لیے گالیاں دینے لگا ۔ احباب نے مزید شعر سنانے کا تقاضا کیا چنانچہ اس نے یہ شعر پڑھا :

زلف او را رشتۂ جان گفتم و گشتم خجل
زانکہ این معنی چو زلفش پیش پا افتادہ است

میں نے کہا : سہان آزاری کا خوف ہے ورنہ غزالی کا یہ شعر پڑھتا :

کس نیابد معنی پیچیدۂ زلف کجت
گرچہ این مضمون ترا در پیش پا افتادہ است

مختصر یہ کہ اس نے کچھ اور اشعار بھی سنائے جن میں سے ہر ایک کا ماخذ بتایا گیا ۔ اس کے بعد اگرچہ دوستوں نے شعر سنانے کی بہت درخواست کی مگر اس نے خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیا ۔ یہاں تک کہ مجلس برخاست ہوگئی' ۔''

اس واقعہ کو ہمیشہ بہار، ریاض الشعرا، تذکرۂ حسینی، مجمع النفائس اور گل رعنا نے نقل کیا ہے ۔ یہ واقعہ ہوا ہوگا لیکن مندرجہ ذیل چند وجوہ کی بنا پر اس کے مکمل طور پر درست ہونے کے بارے میں کچھ شکوک خواہ مخواہ ذہن میں پیدا ہوتے ہیں :

اول یہ کہ مذکورہ واقعہ معاصر تذکروں میں نہیں ملتا ۔ دوسرے یہ کہ ریاض الشعرا نے لکھا ہے واقعہ گجرات میں ہوا جب کہ تذکرہ حسینی اور گل رعنا کے مطابق اجمیر میں ہوا تیسرے یہ کہ عبارت فوق سے واضح ہوتا ہے کہ راوی خود شیخ فیروز ہے جو شیدا کو متہم کر رہا ہے ۔

عین ممکن ہے کہ کسی مجلس میں شیدا نے اپنے چند شعر سنائے ہوں اور شیخ فیروز نے ان میں سے بعض پر دوسروں کے اشعار سنائے ہوں لیکن یہ کہ شیدا کے ہر شعر پر اس نے برجستہ استشہاد کیا ہو مشکوک لگتا ہے ۔ پھر یہ کیا ضروری تھا کہ شیدا نے اپنے بہت سے اچھے شعروں کو چھوڑ کر ''ذات تو بود صحیفہ . . . جیسے بے موقع شعر پڑھے ہوں ۔ ہو سکتا ہے کہ منشی فیروز نے بعد ازاں کسی وقت اس کے چند شعروں پر دوسروں کے ہم معنی اشعار پیدا کر کے انھیں یک جا کر لیا ہو اور مذکورہ واقعہ کی صورت دے دی ہو اور اپنی بیاض میں آنے والوں کے لیے لکھ چھوڑا ہو ۔ کسی معتبر شہادت کے بغیر اس واقعہ کو مکمل طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔

ریاض الشعرا کے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیدا نے دوسروں کے مضمون اخذ کرنے میں توارد سے نہیں بلکہ تعمد سے کام لیا ہے ۔ لکھتا ہے : «اکثر اشعارش ماخوذ از مضامین دیگران است. نہ اینکہ بعنوان توارد واقع شدہ ، بلکہ در این امر

---

۱ ۔ ریاض الشعرا ، ص ۱۲۱ الف تا ۱۲۲ ب

عابد و مصر بوده چنانچه روزی فیروز منشی را با وی مجالست واقع شده[1]۔»

اس پر خود والہ داغستانی یعنی مذکورہ تذکرہ نویس نے شیدا کے کسی ایک شعر پر کسی دوسرے شاعر کا شعر پیش نہیں کیا بلکہ صرف منشی فیروز کی خود نوشتہ تحریر کو سند ٹھہرا لیا ہے۔ مذکورہ واقعہ میں اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ منشی فیروز نے جتنے شعر بھی پیش کیے ہیں ان میں شیدا کے اکثر شعر بہتر ہیں۔ اگر کوئی شاعر احیاناً کسی دوسرے شاعر کے مضمون کو اخذ کرے اور بہتر صورت میں باندھے تو وہ سرقہ یا اس پر تعمد نہیں بلکہ اس کے بہتر فکر و فن کی دلیل تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سراج الدین علی خان آرزو لکھتا ہے:

''اخذ دو گونہ بود، یکی من حیث العجز والسرقہ و آن مذموم است و دوم من حیث الجواب۔ دوم مستحسن است و استادان دارند۔ چنان کہ شیدا گوید:

چیست دانی بادۂ گلگون؟ مصفا جوہری

حسن را پروردگاری، عشق را پیغمبری

و لہذا یکی از ارباب معنی گفتہ کہ این بیت ہمان بیت رودکی است:

عشق را من پیمبرم، لیکن حسن را آفریدگار توئی

''بنظر دقیق شیر شیدا ابلغ است نسبت بہ شعر رودکی ... پس از عالم سرقہ نباشد و بہتر بود''[2]

حافظ شیرازی مسلمہ طور پر فارسی ادب کے چند بے نظیر شعرا میں سے ایک ہے غزل میں اس کے پائے کا آج تک کوئی شاعر تصور نہیں کیا جاتا لیکن ایسی مثالیں اس کے کلام میں بکثرت ملتی ہیں مثال کے طور پر خواجو کرمانی کا یہ شعر:

گر شدیم از بادہ بد نام جہان تدبیر چیست

این چنین رفت است از روز ازل تقدیر ما

حافظ کا شعر جواب میں:

در خرابات مغان ما نیز ہمدستان شدیم

کاین چنین رفت است از روز ازل تقدیر ما

خواجو کرمانی کے اس شعر پر:

ایا صبا خبری کن مرا ازان کہ تو دانی

بدان زمین گذری کن در آن زمان کہ تو دانی

۱۔ ریاض الشعرا، ورق ۱۲۱ الف

۲۔ کارنامہ و سراج منیر، ص ۳۵، ۳۶

حافظ کا شعر ہے :

نسیم صبح سعادت بدان نشان کہ تو دانی
گزر بکوی فلان کن در آن زمان کہ تو دانی

خواجو کرمانی کے اس شعر پر :

خرم آن روز کہ از خطۂ کرمان بروم
دل و جان دادہ ز دست از پی جانان بروم

حافظ کا شعر :

خرم آن روز کزین منزل ویران بروم
راحت جان طلبم و ز پی جانان بروم

خواجو :

تا ببینند مگر نور تجلی جمال ہمچو موسیٰ ارنی گوی بمیقات آیند

حافظ :

با تو آن عہد کہ در وادی ایمن بستیم ہمچو موسیٰ ارنی گوی بمیقات بریم

حافظ نے خواجو کے اور بھی بہت سے شعروں کا جواب دیا ہے ۔ علاوہ ازیں دیوان حافظ میں رومی ، سعدی ، سلمان اور کمال کے بہت سے شعروں کے جوابات بھی ملتے ہیں[1] ۔

اس طرح اگر شیدا کے چند شعروں میں توارد یا استقبال کی کیفیت ملتی ہے تو کیا مضائقہ ہے ۔ منشی فیروز نے محض اسے بدنام کرنے کے لیے مذکورہ واقعہ پر حاشیے چڑھائے ہیں ۔ بالفرض اگر واقعہ بالکل صحیح بھی ہو تو شیدا کے شعری مقام میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ شیدا پر یہ طنز و طعن اس کے ساتھ شاعروں اور ادیبوں کی محض مخالفت اور مخاصمت کا نتیجہ ہے ۔ اس کا گناہ صرف یہ ہے کہ وہ زمانہ ساز نہ تھا ۔

فیروز منشی کی طرح کسی نے از راہ مذاق ایک غیر موزوں غزل اس کے نام سے موسوم کردی ۔ اس پر خزانۂ عامرہ کا مصنف حقیقت حال بیان کرتا ہوا لکھتا ہے :

«مزاج شیدا زمانہ سازی نداشت ، لہذا عالمی با او در مقام مخالفت بود۔ غالباً کسی از راہ استہزا غزل کذائی بنام او گفتہ الحاق کردہ[2]۔»

۱- دیکھیے تاریخ ادبیات ایران جلد سوم دکتر ذبیح اللہ صفا تہران ۱۳۵۲ صفحات ۱۰۷۳ ، ۱۰۷۵ - نیز نقشی از حافظ علی دشتی تہران ۱۳۳۹ صفحات ۲۲۲-۳۰۸ نیز شعرالعجم ، شبلی نعمانی جلد دوم صفحات ۱۵۱ تا ۱۵۵

۲- خزانۂ عامرہ ، ص ۲۸۰

اسلوب سخن

شیدا کے جو اشعار تذکروں میں ملتے ہیں وہ اکثر استادانہ ہیں اور لفظی و معنوی انسجام کا عمدہ نمونہ ہیں ۔ شیدا نے عموماً سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے اور بقول آرزو ایسے قوافی جن میں غزل کہنا دشوار ہوتا ہے وہ ان میں قصیدے کہہ جاتا ہے ۔ یہ مشکل پسندی اس کی قادر الکلامی کی ایک بین دلیل ہے ۔ چونکہ وہ میدان سخن میں بڑے بڑے چیرہ دست حریفوں سے نبرد آزما رہا اس لیے ہوسکتا ہے کہ مشکل زمینوں کے انتخاب میں اس نے طبعاً نہیں بلکہ عمداً التزام کیا ہو اس کے باوجود اس کے اشعار رواں اور دلاویز ہیں ۔ اگر وہ مشکل قوافی کے انتخاب میں نہ پڑتا تو یقیناً اس کے کلام میں اس سے بھی بڑھ کر سادگی اور دلاویزی ہوتی ۔

شیدا سبک ہندی کے زمانۂ عروج کا شاعر ہے لیکن اسے پسند نہیں کرتا چنانچہ اس نے دور از وہم تشبیہات ، مبہم کنایات ، بالکنایہ استعارات ، ناپسندیدہ مبالغات اور پیچیدہ خیالات سے بہت حد تک اجتناب کیا ہے ۔ اس نے اپنے اکثر معاصرین کی طرح شعر کو خیال بندیوں کا معما نہیں بنایا بلکہ مضامین کو بڑی برجستگی اور وضاحت کے ساتھ قالب الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے ۔ چونکہ وہ معاصرین کے سبک شعر کو ناپسند کرتا تھا اور بقول منیر اسے تقویم پارینہ سمجھتا تھا لہذا اس کی عموماً توجہ متقدمین کے کلام پر رہی۔ اسلوب کے لحاظ سے اس کا شعر امیرخسرو سے قریب تر ہے اور یہی وجہ ہے کہ متقدمین کے بعض مضامین اس کے کلام میں دکھائی دیتے ہیں ۔ چنانچہ بعض تذکرہ نویسوں نے عدم تفحص کی بنا پر اسے سرقہ اور تعمد سے تعبیر کر لیا ہے جو صحیح نہیں ۔ صائب اور کلیم کی طرح اس نے اپنے کلام میں ارسال مثل کے بہت عمدہ نمونے پیش کیے ہیں جو اس کے کمال فکر و فن کی دلیل ہیں ۔ بعض اساتذۂ کلام کے جواب میں اس نے کامیابی سے قصیدے اور غزلیں کہی ہیں ۔ مثلاً نظامی گنجوی کی اس غزل کے جواب میں :

مکن جفا کہ مرا طاقت جفای تو نیست

شیدا :

غمین مباش چوکاری بمدعای تو نیست
کہ ہرچہ نیست برای تو آن سزای تو نیست

انوری کے اس قصیدے کے جواب میں :

جرم خورشید چو از حوت در آید بحمل
اشہب روز کند ادہم شب را ارجل

شیدا نے عظیم قصیدہ کہا ہے :

چشم خورشید چو ابرو کند از شاخ حمل
شب شود مردمک و روز بیاضش بمثل

امیر خسرو کی اس غزل کے جواب میں :

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چون کنم دل به چنین روز ز دلدار جدا

شیدا :

صحبت ما و عزیزان چو گل و شبنم بود
به نسیمی همه گشتند بیکبار جدا

حافظ :

بود آیا که در میکده ها بگشایند گره از کار فرو بستهٔ ما بگشایند

شیدا جواب میں :

گلرخان چون گره از بند قبا بگشایند چه گره ها ز دل بستهٔ ما بگشایند

نظیری :

گر بسخن در آورم عشق سخن سرای را
بر برو دوش سر نهی گریهٔ های های را

شیدا جواب میں :

بر طمع وصال او رنج فراق می برم زود که آورد بدست دولت دیر پای را

نمونۂ کلام کے طور پر چند شعر درج کیے جاتے ہیں یہ حسن بیان کی منہ بولتی تصویریں ہیں اور کسی توصیف و تعارف کے محتاج نہیں :

بزلف او نرسد شانه ، گر صبا گردد
بچشم او نرسد سرمه ، گر حیا گردد
ز حسن روز فزونش بصرفه می گویم
که رفته رفته مبادا بتی خدا گردد

بگذری بر من ازان گونه که نادان ز غرور
بگذرد بر سخن خوب و تأمل نکند

پنجهٔ اہل سخا در جانب دست گدا
وقت رفتن غنچه و ہنگام برگشتن گل است

مرا نیاز و ترا ناز ، ہر دو می زیبد
چنان که زیر و بم ساز ، ہر دو می زیبد

همه صاحب خبر چو نامه ولیک
همچو نامه ز خویش بی خبرند

من از خیال وصالت بخواب شادانم
چو مفلسی که بخواب نکو بود خورسند

تو از تمکین من از حیرت ، نه ایمائی نه تقریری
بدان ماند که هم بزم است تصویری به تصویری

گفتن دعا بزلف تو تحصیل حاصل است
با خضر کس نگفت که عمرت دراز باد

کدام مرغ اسیر از قفس صفیر کشید
که بلبلان همه منقار از نوا بستند

صد چاک دلم گشت ز اندوه چو شانه
هر دست که محتاج بدست دگری بود

بوالهوس در بزم او بی من دلیری ها کند
بیشه چون خالی شود روباه شیری ها کند

نکو عاشق که هر دم طرهٔ یار دگر گیرد
بسان مارگیران هر نفس مار دگر گیرد

ترا ز سنگ دلیها چگونه ننگ بود
که کعبه گرچه بود محترم ز سنگ بود

روی تو تازه کرد دل مستمند را آتش اگرچه سبز نسازد سپند را

بر آرد گر ترا گیتی بکام دل مشو خرم
که بر خاک افگند آنرا که کشتی گیر بر گیرد

مائیم و جام باده ، نتوان ز دست دادن
در روزگار پیری این دولت جوان را

گفتگوی ما نظر بازان بخاموشی بود
جز بخاموشی نباشد گفتگو آئینه را
خاکساری می دہد روشندلان را آبرو
جز بخاکستر نباشد شست و شو آئینه را

یک ابر برنیامده با چشم ترکه ما
یک لاله سر نکرده بداغ جگر که ما
گل خنده آن قدر نکند روز و شب که تو
بلبل ننالد اینهمه شام و سحر که ما

ساده لوحی که بیک غمزه دلم شیدا کرد
آن قدر مشق ستم کرد که خط پیدا کرد

درین چمن نه گل و لاله شبنم اندود است
که خندهٔ گل این باغ گریه آلود است

بیک دل کی توان اندیشه دنیا و دین کردن
که نتوان ہر دو دست خویش در یک آستین کردن

به آفتاب نیارست ذره پیوستن
بود چگونه بوصلت ره وصول مرا
جهان چو زلف نگار است و من چوشانه درو
گہی عروج بود گه بود نزول مرا

آگه نشد کسی ز خزان و بهار من
مانند گلبنی که بویرانه گل کند

مرد آزاد بغم ، راستی از دست نداد
سرو ہر چند که شد پیر قد او نخمید

چو حرف در شکن نامه از سیه بختی
سپهر زنده بپیچید در کفن ما را

انگشت نهادم بزنخدانش گفت :
بر سیب منه الف که باشد آسیب

صبا که آن سر زلف دو تا گرفت و گذاشت
فسونگری ز فسون اژدها گرفت و گذاشت

ببزم قرب کسی گرم جا نگهدارد
که پاک سوزد و چون شمع پا نگهدارد

چون هر نفسی رو بخرابی است جهان را
این خانه همان به که به معمار فروشند

مرد غم را ز طرب تازه دماغی نبود
خانه آتش زده محتاج چراغی نبود

زلیخا چاک پیراهن ندوزد ماه کنعان را
ازان ترسد که سوزن چشم دارد در تماشایش

بپوش ساعد سیمین ، مگر نمی خواهی
که دست فتنه زمانی در آستین باشد

اگر برقع بر اندازی شب ما در سحر پیچی
وگر گیسو بر افشانی هوا در مشک تر پیچی
باین حسن توانگر زلف چون دلق گداداری
که گاهی سایبان رخ کنی گه بر کمر پیچی
نه من شمعم نه تو دودی ، نه من زلفم نه تو شانه
که چون من بیشتر پیچم تو با من بیشتر پیچی

مآخذ

تذکرۂ حسینی ، میر حسین دوست ، لکھنئو ، ۱۲۹۲ھ
تذکرۂ شعرای کشمیر ، جلد اول ، اصلح میرزا بتصحیح سید حسام الدین راشدی کراچی ، ۱۳۴۶ھ ش
تذکرۂ نصر آبادی ، محمد طاہر ، تہران ، ۱۳۱۷ھ ش
خزانۂ عامرہ ، آزاد بلگرامی ، کانپور ، ۱۹۰۰ء
داد سخن ، سراج الدین علی خان آرزو ، بتصحیح سید محمد اکرم راولپنڈی ، ۱۹۷۴ء
دیوان انوری بکوشش سعید نفیسی ، تہران ۱۳۳۷ھ
دیوان اشعار خواجو کرمانی بتصحیح سہیلی خوانساری ، تہران ۱۳۳۶ھ
دیوان نظیری نیشابوری بتصحیح مظاہر مصفا ، تہران ۱۳۴۰ھ
دیوان حافظ شیرازی دکتر قاسم غنی ، تہران
ریاض الشعرا ، والہ داغستانی ، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ ، Pf I 17
سفینۂ خوشگو بندر بن داس ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ ، APf 14
شاہجہان نامہ ، جلد سوم ، محمد صالح کنبو ، لاہور ، ۱۹۶۰ء
شعرالعجم ، شبلی نعمانی ، جلد دوم ، لاہور
شمع انجمن محمد صدیق خان ، بھوپال ، سال تصنیف ۱۲۹۳ھ
فہرست کتاب خانۂ مرکزی دانش گاہ تہران ، جلد ۱۳
کارنامہ و سراج منیر ، بتصحیح سید محمد اکرم ، اسلام آباد ، ۱۹۷۷ء
کلیات الشعرا ، محمد افضل سرخوش ، لاہور ، ۱۹۴۲ء
کلیات غزلیات خسرو ، جلد اول ، لاہور ۱۹۷۲ء
گل رعنا ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لاہور ، لائبریری شمارہ S 1490
معاصر رحیمی ، جلد سوم ، ملا عبدالباقی نہاوندی ، کلکتہ ، ۱۹۳۱ء
مرآۃ آفتاب نما ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ Pe I 24
مرآۃ الخیال ، شیر خان لودھی ، بمبئی ، ۱۸۳۱ء
مجمع النفائس ، سراج الدین علی خان آرزو ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ P f I 24

مجموعۂ منشآت میرزا جلالای طباطبائی نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری
شمارہ API XII
مخزن الغرایب ، جلد دوم ، احمد علی سندیلوی ، بتصحیح دکتر محمد باقر ،
لاہور ، ۱۹۷۰ء
معاصر ، جلد دوم ، حصہ پنجم ، عہد شاہجہانی کا ایک ادبی مناقشہ ، قاضی
عبدالودود ، پٹنہ
منشآت جلالای طباطبائی ، نسخۂ خطی کتاب خانۂ مرکزی دانش گاہ تہران ،
شمارہ ۲۹۴۴
نگارشات منیر ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ م-۱
ہمیشہ بہار ، کشن چند اخلاص ، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ، کراچی ، ۱۹۷۳ء

Talib-i·Amuli, by S. Nabi Hadi, Aligarh, 1962.

Bibliotheque Nationale Paris, by Blotchet, Vol II.

Supplement to the Catalogue of Persian Manuscripts, British Museum Library, by Rieu.